© rasailojaraid.com

تحریک اسلامی اور خواتین کا کردار

ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی ○

ترجمان القرآن میں امت مسلمہ کے احیا اور اس عظیم جدوجہد میں تحریک اسلامی کے کردار کے مختلف پہلوؤں پر بحث و گفتگو کا سلسلہ اول روز سے جاری ہے۔ غور و فکر اور تفہیم اور احتساب کا یہ عمل قوموں اور تحریکوں کی زندگی اور ترقی کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنی جسم انسانی کے لیے غذا۔ یہ کام جتنا ضروری ہے اتنا ہی نازک بھی ہے۔ ایک طرف قرآن و سنت کی ابدی ہدایات کا مکمل پاس اور امت کی تابناک تاریخی روایات کا احترام اس عمل کی اساس ہے' تو دوسری طرف بدلتے ہوئے حالات اور وقت کے چیلنجوں کا شعور اور ان کے تقاضوں کے ادراک پر اس عمل کی کامیابی اور بار آوری کا انحصار ہے۔ امت کے علما' صلحا اور مصلح (reformers) اس عظیم کام کو ہر دور میں انجام دیتے رہے ہیں اور کامیاب وہی رہے جنھوں نے امت وسط کے مزاج کے مطابق توازن اور اعتدال سے اس خدمت کو انجام دیا۔ قدامت اور جدت دونوں کے حقیقی تقاضوں کو' اپنی اصل پر سمجھوتہ کیے بغیر' پورا کرنے کی کوشش کی اور اسلامی دعوت و تحریک کو اس دریا کی مانند رواں دواں رکھا جس میں ہر لحظہ پانی کی نئی روئیں شامل ہو کر تازگی اور فراوانی کا اہتمام کرتی ہیں۔ دریا نئے راستے بھی نکالتا ہے لیکن اس کی حیثیت اور کردار میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ تحریکوں میں یہ تازگی غور و فکر' بحث و گفتگو' اجتہاد و اجماع' نئے تجربات اور تاریخ سے سبق سیکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔

بیسویں صدی کی اسلامی تحریکات نے بھی اسی راستے کو اختیار کر کے' روایت سے بغاوت کیے بغیر' جمود کی برف کو توڑا اور امت کے احیا کا موجودہ آہنگ قائم کیا۔ یہ کام محض ایک یک وقتی عمل (one shot operation) نہیں بلکہ ایک مسلسل اور پیہم عمل (on going process) ہے اور اس سے دریا دریا رہے گا' جوہڑ بن کر دم نہیں توڑ دے گا۔

○ مدیر' ماہنامہ زندگی نو' دہلی' بھارت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غور و فکر، نقد و تبصرہ، احتساب اور خود احتسابی کی اس روایت کو جاری رکھتے ہوئے ہم ترجمان القرآن میں ایسی چیزیں شائع کرنے کا اہتمام کر رہے ہیں جو ہوا کے نئے جھونکوں کا کام کر سکتی ہیں۔ زندگی نو، دہلی کے مدیر اور ہمارے محترم تحریکی ساتھی اور مفکر ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی نے تحریک اسلامی میں عورتوں کے کردار پر قلم اٹھایا جسے ہم قارئین ترجمان القرآن کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ (مدیر)

مسلم معاشرے کی اصلاح اور تحریک اسلامی کی دعوت کا ایک اہم چیلنج خواتین کے عمومی کردار سے متعلق ہے۔ مغربی یورش کا ایک اہم ہدف اسلامی نظام زندگی میں عورت کے حقوق اور اس کا سماجی کردار ہے۔ اس محاذ پر غفلت اور غیر دانش مندانہ حکمت عملی کے بہت دور رس اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

خواتین کے مسئلے میں علما اور تحریک اسلامی کو دفاع اور تحفظ کے بجاے اسلامی نقطۂ نظر کو پوری قوت سے پیش کرنا چاہیے اور اقدامی انداز اختیار کرنا چاہیے۔ ایسا اثبات جس سے ایک طرف اسلامی نظام فکر کی خیر و برکات اور اس کا توازن اور عدل واضح ہوتے جائیں اور دوسری طرف عصری نقطۂ نظر کی بنیادیں منہدم ہوتی چلی جائیں اور اس کی اساس پر تشکیل پانے والے سماج کی خیرہ کن تاب ناکی کے پس پردہ، تاریکیوں کی جھلک بھی دکھائی دیتی رہے۔ اس کام کے لیے ان تھک جدوجہد لازم ہے، علمی اور تحقیقی مساعی درکار ہیں، تجزیاتی علم اور اعداد و شمار پر غیر معمولی گرفت کا حصول مطلوب ہے، اس کے لیے نہ محض روایتی علم کافی ہے اور نہ ہی اعداد و شمار کا سطحی علم۔ اثبات سے مراد اقدام ہے۔ دفاعی تحفظ دور حاضر کی حیرت زا ٹکنالوجی کے سامنے ٹھیر نہیں سکتا۔ بالخصوص انفارمیشن ٹکنالوجی جس نے انٹرنیٹ، ای میل اور دوسرے مماثل ذرائع سے ملکی سرحدیں بالفعل ختم کر دی ہیں۔ اب ہر طرح کی خرافات انفارمیشن کے نام سے پوری دنیا میں موجود ہیں، اباحیت، پورنوگرافی، سب کچھ بٹن دبانے سے حاصل ہے۔ اس کو کوئی ملک روک نہیں سکتا۔ اس یورش کا مقابلہ صرف زیادہ طاقت ور اور پرکشش جوابی یورش سے ہی ممکن ہے۔ اسی لیے اقدام درکار ہے، جوابی سیلاب کی ضرورت ہے۔

اس اثبات کا محور، اسلامی نظام فکر و عمل اور اس کے اصول اور اقدار ہوں گے۔ ان کی واضح اور جرات مندانہ تفسیر اور تعبیر کی ضرورت ہے۔ یہ اثبات، اس تاریخی ثقافت اور ان تمام اداروں کا اثبات ہرگز نہ ہونا چاہیے جسے ملت اسلامیہ نے اپنے طویل سفر میں اپنی اجتماعی زندگی کا لازمی جز بنا لیا ہے۔ قرآن کریم کی ابدی تعلیمات اور رسول اللہ کی سنت، اس جدوجہد کی حدود اور اس کا رخ متعین کریں گے۔ ہمارے رجحانات اور ہماری مرضیات، ہمارے رسم و رواج اور ہماری کلچرل اقدار، ان سب سے نکھار کر ان کا اثبات اور توضیح وقت کا بھی تقاضا ہیں اور ہماری دینی ذمہ داری بھی۔

قرآن و سنت نے خواتین کے متعلق جو بیش بہا متوازن اور عادلانہ تعلیمات عطا کی ہیں ان کا از سر نو اثبات خود مسلم سماج کے لیے بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ دعوت الی غیر المسلمین کے لیے۔ یہ ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انقلابی جدوجہد ہو گی جسے انجام دیے بغیر ہم اس سماج کا تزکیہ اور اس کی اصلاح نہیں کر سکتے اور نہ ہی صحیح اسلامی نہج پر اس کی تعمیر ممکن ہے۔

اس ضمن میں چند باتیں بطور تمہید کے گزارش کرنا ناگزیر سمجھتا ہوں۔

پہلی بات یہ ہے کہ مسلم سماج اس وقت دو حصوں میں بٹ گیا ہے۔ ایک وہ ہے جو مغربی کلچر اور تعلیم اور اس کے ضمن میں آنے والی معاشی ترقی سے اتنا متاثر ہے کہ اس نے اسلامی قدروں کو قطعاً نظرانداز کر دیا ہے۔ اس طبقے کی یہ بھی کوشش ہے کہ پورے مسلم سماج کو بدل ڈالے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو عاقبت اسی میں سمجھتا ہے کہ وہ روایتی زندگی سے پوری قوت سے چمٹا رہے تاکہ اس کا دین و مذہب سلامت رہے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ جدید تہذیب کے تقاضوں اور مادی ترقی کی یورش کے سامنے ہمارے قدیم ادارے اور رسم و رواج ایک ایک کر کے سپر ڈالتے جا رہے ہیں۔ جدید زندگی کے تقاضوں کے تحت ان کو برقرار رکھنا بھی مشکل نظر آتا ہے۔ تحریک اسلامی کو اس صورت میں رہنمائی کا کردار ادا کرنا چاہیے تاکہ قرآن و سنت کی اساسی قدروں کا احیا بھی ہو سکے اور صحت مند اور جائز عصری رجحانات کا لحاظ بھی کیا جا سکے۔ اس جدوجہد کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے مندرجہ ذیل اہم اقدام کرنے ہوں گے۔

سب سے پہلے ہم کو مدینہ منورہ کے اس معاشرے کا بنظر غائر مطالعہ کرنا ہو گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس اور اس کے بعد خلافت راشدہ کے زمانے میں قائم تھا۔ اس معاشرے میں خواتین کا کیا کردار تھا، ان کے حقوق کی پاس داری میں کن امور کو پیش نظر رکھا جاتا تھا، وہ خاندان اور عمومی سماجی زندگی میں کتنا اثر رکھتی تھیں؟ کیا خواتین کا دائرہ کار صرف اندرون خانہ تک محدود تھا یا وہ اجتماعی زندگی میں کوئی خاص کردار نبھاتی تھیں؟ کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواتین سے بھی اجتماعی امور میں کبھی مشورہ لیتے تھے؟ کیا آپؐ نے کوئی اجتماعی ذمہ داری کسی خاتون کے سپرد کی تھی؟ کیا اہم مواقع پر آپؐ نے صرف مردوں سے بیعت لی تھی یا خواتین کو بھی اس لائق سمجھا تھا کہ ان سے الگ بیعت لیں؟ کیا آپؐ نے دینی تعلیم اور تربیت کے لیے صرف مردوں کو وسیلہ بنایا تھا یا خواتین کو بھی براہ راست مخاطب کیا تھا؟ کیا اس پاکیزہ سماج میں خواتین اور مردوں کی دنیا ایک دوسرے سے بالکل الگ تھی؟ کیا خواتین اور مردوں کے درمیان زندگی کے اجتماعی معاملات میں قطعاً کوئی تعامل [و تعاون] نہ تھا؟ معاشی زندگی میں کیا عملاً خواتین کو تجارت اور کسب معاش میں براہ راست حصہ لینے کی یکسر ممانعت تھی؟

خوش قسمتی سے ان سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لیے غیر مصدقہ تاریخی ذرائع کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی بلکہ احادیث کا بیش قیمت ذخیرہ موجود ہے، جس سے آپ ان میں سے اکثر سوالات کا جواب حاصل کر سکتے ہیں۔ جہاں تک خلفاے راشدین کے دور کا تعلق ہے، ان کے متعلق بھی وقیع اور مصدقہ تاریخی ذرائع موجود ہیں۔ اس دور کی خوبی یہ ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قریب ترین تھا، اس کا پرتو تھا اور قرآن و سنت کا عکاس تھا۔ اس کی دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ خارجی اثرات اور بیرونی کلچر سے یکسر محفوظ تھا۔ قدیم جاہلیت کے جن اجزا کو اس نے برقرار رکھا تھا وہ خود حضورؐ کے اصلاح کردہ تھے۔ اس لیے ان میں کسی غیر اسلامی آلودگی کا شائبہ بھی نہ تھا۔

اس وقت اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ لیکن اس گہرے مطالعے سے چند باتیں قطعی طور پر ثابت ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ خواتین کے معاملے میں ایک فراخ دل اور کشادہ ظرف معاشرہ تھا۔ جس نے عورت کے وقار کو مستحکم بنیادوں پر قائم کیا تھا۔ اس کو اسی فطرت اللہ کا حامل قرار دیا تھا جس کا حامل مرد تھا۔ بحیثیت ماں اس کے قدموں کے نیچے جنت کی بشارت دی تھی اور بحیثیت بیوی اس کے واضح حقوق متعین کیے تھے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کو نیکی اور تقویٰ کا جزو لازم بتایا تھا۔ اس معاشرے میں عورت اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں شریک کار تھی جس طرح مرد۔ اقامت دین کی اس بے مثال جدوجہد میں جس کے قائد خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے وہ دامے درمے، قدمے سخنے شریک اور مددگار تھی۔ جوانوں نے اگر نذرانہ جان پیش کیا تھا تو ماؤں نے اپنے لاڈلوں کو بخوشی خدا اور اس کے رسولؐ کے سپرد کیا تھا۔ پھر کتنی ہی ایسی جیالی خواتین تھیں جنھوں نے بنفس نفیس غزوات میں حصہ لیا تھا۔ دوسری بات یہ کھل کر سامنے آتی ہے کہ اگرچہ وہ مخلوط سماج نہ تھا لیکن مختلف سطحوں اور میدانوں میں مردوں اور خواتین کے درمیان صحت مندانہ اور پاکیزہ تعامل تھا۔ اجتماعی امور کے حل کرنے میں، دینی تعلیم اور تربیت میں، حصول علم میں اور معاشی زندگی میں عورت اور مرد ایک دوسرے کے شریک کار تھے۔ خاندانی زندگی قرآنی تعلیمات کے مطابق باہمی محبت اور خیرسگالی پر استوار تھی۔ حسن سلوک اور حقوق و فرائض کا حسین امتزاج تھا۔ عورت کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ مرد سے اپنے حقوق کے لیے براہ راست سرور عالمؐ تک مرافعہ کرے یہاں تک کہ حق زوجیت کے لیے شوہر کی نفلی عبادت میں غیر معمولی غلو کی شکایت کرے اور اپنے حق میں فیصلے کی درخواست کرے۔ چونکہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ یہ دعویٰ تشنہ ثبوت نہ رہ جائے اس لیے چند مثالیں پیش کر رہا ہوں۔

دعوت اسلامی کے ابتدائی زمانے میں خواتین نے مردوں کے دوش بدوش جس طرح قربانیاں پیش کی ہیں اس کی مثال حضرت سمیہؓ تھیں جو اسلام کی راہ میں پہلی شہید تھیں۔ حضرت عروہؓ بنت عبدالمطلب رسولؐ اللہ کی امداد کرتی تھیں اور حضرت ام شریکؓ قریش کے اعلیٰ خاندان کی خواتین تک اسلام کی دعوت پہنچاتی تھیں اور انھیں حلقہ بگوش اسلام کرتی تھیں (الاصابہ)۔

بخاری میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عیدالفطر کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو خطاب کیا اور اس کے بعد ان کے درمیان سے گزر کر خواتین کے پاس گئے اور ان کے سامنے سورۃ الممتحنہ کی یہ آیت پڑھی: يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ .... الی آخر الأية (الممتحنہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۰: ۱۲)---- اور ان سے سوال کیا کہ کیا تم سب اس پر یقین رکھتی ہو تو ایک خاتون نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس کے بعد آپؐ نے انفاق پر ابھارا۔

بخاری اور مسلم دونوں کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے دوران خواتین نماز باجماعت کے لیے مسجد نبویؐ میں حاضر ہوتی تھیں۔

جنگی خدمات اور براہ راست جنگ میں (بوقت ضرورت) حصہ لینے کے سلسلے میں خواتین نے مردوں کے دوش بدوش حصہ لیا ہے۔ خود حضرت عائشہؓ نے جنگ احد کے موقع پر زخمی مجاہدوں کو پانی پلانے کی خدمت انجام دی ہے۔ حضرت ام عمارہؓ ...۔ بنت کعبؓ نے کئی جنگوں میں حصہ لیا۔ غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں بہادری کے جوہر دکھائے اور کئی مشرکین کو قتل کیا (المغازی ج ۲، ص ۳۵۷)۔ مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں حصہ لیا۔ اس میں حصہ لینے کے لیے آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اجازت لی تھی (البدایہ والنہایہ ج ۶، ص ۳۲۳ اور المسیرہ الحلبہ ج ۲، ص ۵۰۹)۔ حضرت اسما بنت یزیدؓ جلیل القدر صحابیہ نے جنگ یرموک میں بہادری کے جوہر دکھائے اور دوسری مسلمان عورتوں کے ساتھ بہت سے رومیوں کو قتل کیا (البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۱۳۔ تاریخ طبری ج ۲، ص ۳۳۵)۔ غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں بھی شریک تھیں (العقد الفرید ج ۳، ص ۲۲۳۔ المغازی ج ۱، ص ۳۱۵)۔ آپ کے علاوہ حمنہؓ بنت جحش، ام سنانؓ الاسلمیہ، الیلتہؓ الغفاریہ (غزوہ احد، الاصابہ، الاصابہ)، صفیہؓ بنت عبدالمطلب (غزوۂ خندق، الاصابہ)، ام حارانؓ بنت ملحان اور کتنی ایسی خواتین تھیں جنھوں نے جنگی خدمات انجام دیں۔ اگرچہ قتال میں حصہ لینا عورتوں کے فرائض میں داخل نہیں ہے لیکن وہ بخوشی اس طرح کی خدمات اعزازی طور پر کر سکتی ہیں۔ اس امر میں کوئی ممانعت نہیں۔ لیکن مسئلہ زیر بحث جواز کا نہیں ہے بلکہ اس امر کی نشان دہی کرنا ہے کہ مدینہ منورہ کے معاشرے میں خواتین جنگی محاذ پر، اپنی پیٹھ پر مشک بھر کر لاتی تھیں اور مجاہدوں کو پانی پلاتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور بوقت ضرورت ہتھیار کا استعمال کر کے دشمنوں کا مقابلہ بھی کرتی تھیں۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اجتماعی امور سے وہ عملاً متعلق تھیں۔ لیکن اس تعلق پر اسلامی تعلیمات کے مطابق بعض پابندیاں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے مرد اور عورت کے کچھ مخصوص دائرہ کار مقرر کیے ہیں جن کا لحاظ ایک شائستہ اور پاکیزہ سماج کے لیے ضروری ہے۔

مدینہ منورہ کے اس معاشرے میں خواتین سے اجتماعی معاملات میں مشورہ کرنے کی ایک اہم مثال مسئلہ خلافت حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا ہے، جس کے سلسلے میں مردوں سے مشورہ کرنے اور ان کی رائے لینے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے خواتین کی رائے بھی لی (البدایہ والنہایہ)۔ خواتین کے تجارت اور زراعت میں حصہ لینے کی متعدد مثالیں اس معاشرے میں ملتی ہیں۔ اگرچہ شریعت نے خاندان کی کفالت مرد کا فریضہ قرار دیا ہے لیکن خواتین بشرط ضرورت مدینہ منورہ میں اپنے خاندان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عسرت اور تنگی کو دور کرنے کے لیے جدوجہد کرتی تھیں اور اس سلسلے میں کوئی ممانعت نہیں تھی۔ مثلاً اسماءؓ بنت ابوبکر اپنے شوہر الزبیر کی معاش حاصل کرنے میں مدد کرتی تھیں (البخاری)۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے بازار کی نگہداشت کی ذمے داری شفا بنت عبداللہ بن عبدالشمس پر ڈالی تھی۔

جہاں تک ازدواجی معاملات کا تعلق ہے اس سماج میں خواتین کو اسی طرح نکاح کی تجویز پیش کرنے کی آزادی حاصل تھی جس طرح مردوں کو۔ چنانچہ حدیث کی کتابوں میں ایسے واقعات ملتے ہیں۔ مثلاً عورتوں نے زبانی یا تحریری طور پر تجویز نکاح پیش کی۔ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر خلع کی درخواست کی۔ شریعت کے عمومی احکام کے مطابق عورت کو فسخ حاصل کرنے کے لیے قاضی کے پاس مرافعہ کرنا ہوتا ہے' لیکن اس کی وجوہ کا علانیہ بیان کرنا نہ ضروری ہے اور نہ فیصلہ کن۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیحدگی کے فیصلے محض عورت کے اصرار پر کیے ہیں۔ علم و تفقہ میں بھی خواتین مردوں سے کم نہ تھیں' بلکہ بعض محترم خواتین تو مردوں سے بھی آگے تھیں۔ مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو اپنے علم حدیث اور تفقہ کے اعتبار سے مرجع خلائق تھیں۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمر اپنے علم اور تفقہ کے اعتبار سے قابل اعتماد سمجھی جاتی تھیں۔ ان کی بیشتر آرا نہایت گہری بصیرت کی حامل تھیں (حیات الصحابہ ج ۱' ص ۴۷۶)۔ یہ صرف دو مثالیں ہیں جن کے مطابق خواتین مدینہ کے معاشرے میں مردوں کے نزدیک بھی مرجع تھیں۔

اس معاشرے کی امتیازی شان' قرآن و سنت کی قدروں' اصولوں اور احکام کا اتباع تھا۔ وہ معاشرہ قرآن کی اس اساسی حقیقت کا حامل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے کے لیے باعث طمانیت اور وسیلہ محبت اور مودت بنایا ہے۔ وہ ایک دوسرے کا لباس ہیں جو ایک دوسرے کی ستر پوشی بھی کرتے ہیں اور محرم راز بھی بنتے ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے آپس میں مددگار' حامی اور ناصر بنایا ہے۔ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبہ ۹:۷۱)---- مرد اور عورت دونوں اللہ کے بندے ہیں اور دونوں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے عکاس ہیں۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم ۳۰:۳۰) قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

اس کے بعد اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر نہایت تیزی سے دوسرے ملکوں میں پھیلا۔ لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے گئے۔ مگر اس وسعت کے ساتھ ساتھ ضروری تعلیم اور تربیت کا کماحقہ اہتمام نہ کیا جاسکا۔ اسلام ایسے ملکوں اور ان سوسائٹیوں میں بھی غالب آگیا جہاں اس کی آمد سے قبل دوسری تہذیبیں کارفرما تھیں' مثلاً بازنطینی تہذیب' ہندستانی تہذیب' ایرانی تہذیب وغیرہ۔ اس کے ماننے والے مسلمان ہوتے گئے مگر اپنی زندگیوں میں انھوں نے ماضی کی تہذیب کے رسم و رواج میں سے بھی اکثر کو اپنے اندر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمو لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ' مدت زمانی کی وجہ سے وہ قرآن و سنت کے اصلی اور شفاف چشمے سے اتنے قریب نہ رہ سکے جتنا کہ مدینہ منورہ کی سوسائٹی تھی۔ اس تہذیبی اختلاط کی وجہ سے خرابیاں پیدا ہوئیں۔ ان کے رد عمل کے طور پر دینی حلقوں میں تحفظ کا احساس غالب ہونے لگا کہ جو کچھ موجود ہے اس کو بچالیا جائے۔ اس اختلاط میں جہاں رسم و رواج متاثر ہوئے' وہاں ادب' فلسفہ اور عملی زندگی بھی اس کی زد میں آگئے۔ ازدواجی رسوم و رواج پر بھی اس کا پرتو پڑا اور خواتین کے متعلق سماج کا نقطہ نظر بھی بدل گیا۔ اس اختلاط کے اثرات کو وسعت دینے والے ذرائع میں سے ایک ذریعہ اس دور کا ادب' بالخصوص کہانیوں اور داستانوں کا ہر دلعزیز ذخیرہ تھا۔ الف لیلہ جیسی داستانوں نے عورت کو شاطر' بے وفا اور شہوانی جذبات کا استحصال کرنے والی صنف کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس تصویر کے رد عمل کے طور پر اس رجحان کو تقویت ملی کہ عورت کو قابو میں رکھنا چاہیے۔ اگر اسے آزادی دی جائے گی تو وہ بے وفائی کرے گی' مکاری سے کام لے گی اور شہوانی جذبات کا آسانی سے شکار ہو جائے گی۔ اس داستان کی ہر دل عزیزی نے شعوری یا غیر شعوری طور پر قرآن و سنت کی عطا کردہ نظر پر پردہ ڈال دیا۔ باز…نی تہذیب نے مسلمانوں کو اس حد تک متاثر کیا کہ حجاب کی ایک متعین شکل ہمارے معاشرے کا جزو لاینفک بن گئی۔ ہندو تہذیب سے واسطہ پڑا تو اس نے عورت کا مقام اور نیچے گرا دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ خط…ے کے ہمہ گیر احساس نے تحفظ اور دفاع کو ہمارے طرز عمل کی شناخت بنا دیا۔

اس کے ثبوت میں ہماری معاشرتی زندگی کے وہ رسم و رواج ہیں جو ہم نے مقامی کلچر اور غیر اسلامی طرز فکر کے نتیجے میں اختیار کر لیے تھے۔ نکاح جیسی آسان تدبیر کو جہیز اور دوسری رسومات میں ملوث کر کے مسلم معاشرے میں نہایت مشکل بنا دیا گیا۔ طلاق کو انتہائی مذموم چیز بنا دیا گیا اور مطلقہ کو اسی طرح اچھوت قرار دیا جانے لگا جس طرح ہندو سماج میں ہے۔ ہندستانی مسلم سماج میں بھی لڑکی کو بوجھ سمجھا جانے لگا اور اس کی پیدائش کو زحمت قرار دیا جانے لگا۔ وراثت میں خواتین کا حق چھیننے کے لیے اکثر زمین داروں اور تعلقہ داروں نے اودھ میں برطانیہ کے قوانین وراثت کو اختیار کر لیا جن کی رو سے صرف مرد اولاد اکبر جایداد کی مستحق ہوتی تھی۔ تجویز نکاح کے حق سے محروم کر کے اسے خواتین کے لیے باعث شرم قرار دے دیا گیا۔ یہاں تک کہ ایجاب و قبول کے وقت لڑکی کی خاموشی کو رضامندی قرار دیا جانے لگا۔ اس کو یہ بات بتائی گئی کہ پاکیزہ اور عفت مآب لڑکیاں زبان سے رضامندی کا اظہار نہیں کر سکتیں۔ شوہر کو غیر مسلم تصور کے مطابق مجازی خدا بنا دیا گیا۔ مسلمان سماج میں ایسے رواج بھی تسلیم کیے جانے لگے کہ گھر کی خواتین اپنے ہی گھر کے مردوں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتیں۔ جس دین نے تعلیم کو دین و ایمان کی اساس قرار دیا تھا اس دین میں ایک عرصے تک خواتین کی تعلیم کو معیوب قرار دے دیا گیا تھا۔

ایک طرف یہ سماجی خرابیاں پیدا ہوئیں' دوسری طرف دین دار حلقوں نے ان کے خلاف بند باندھنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے اسلامی قوانین کی ایسی تعبیریں کرنا اپنا طرز عمل قرار دیا جن سے صنف نازک کا تحفظ کیا جاسکے۔ اسے غیر اسلامی کلچر کی خرابیوں سے بچایا جاسکے۔ گویا یہ اس امر کا اعتراف تھا کہ برائیوں اور شیطانی وساوس سے تحفظ کی ضرورت صرف خواتین کو ہے۔ بعض نے حقوق خواتین کی ایسی تفسیر کی کہ ان کے حصول کا انحصار شوہر کی مرضی پر ہو۔ خاندان کا انتظام ہو یا بچوں کی تعلیم و تربیت' یہ صرف مردوں کا حق اور ان کی ذمہ داری قرار دی گئی تاکہ خواتین بچوں کی تربیت' شوہر کے حکم اور مرضی کے مطابق کریں۔ انھیں اختیارات حاصل نہیں ہیں بلکہ وہ صرف خدمت گار ہیں۔ قرآن حکیم اور سنت نے خواتین کو اپنے مال و دولت اور اپنی جایداد کا مالک بنایا تھا اور سنت صحیحہ ثابتہ کے نزدیک خواتین ان کا انتظام بھی کر سکتی ہیں۔ لیکن اس حق پر ہمارے رسم و رواج نے ایسی پابندیاں عائد کر دیں کہ وہ شوہروں کی مدد کے بغیر ان کا انتظام نہیں کر سکتیں۔ اپنی تجارت کرنا تو دور رہا' مردوں سے دنیوی معاملات میں تعامل ہر حیثیت سے معیوب قرار دیا گیا۔ یہاں تک کہ عورت کی آواز کو بھی محرم قرار دیا گیا۔ اجتماعی امور میں خواتین کو دخل دینے سے یکسر محروم قرار دیا گیا کہ وہ ناقص العقل ہے۔ اس مقصد کے لیے حدیث نبویؐ کی حسب منشا تاویل کی گئی۔ اس کی فطرت کی کجی ثابت کرنے کے لیے رسول اکرمؐ کے اس ارشاد کو کہ عورت ریڑھ کی ہڈی سے پیدا کی گئی ہے' ایسی تفسیر رائج کی گئی جس میں غیر اسلامی کلچر کے تصور عورت کا انعکاس تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ علماے امت نے ہر دور میں خواتین کے حقوق اور ازدواجی تعلقات کے متعلق صحیح اسلامی بنیادوں کی تعلیم اور تشریح کے ذریعے اصلاح کی جدوجہد جاری رکھی۔ مگر ان پر بھی تحفظ کا داعیہ غالب ہو گیا۔ خطرے کے مبالغہ آمیز احساس کی وجہ سے' اس امر کا اہتمام نہ کیا جاسکا کہ حقیقی اسلامی اقدار اور کلچر کو حشو و زوائد سے ممیز کیا جاتا رہے بلکہ دین دار حلقوں کی ہمت افزائی کی گئی کہ جو کچھ بھی سرمایہ موجود ہے اس کو برقرار رکھا جائے اور انحطاط سے بچایا جائے۔ تحفظ کی اس جدوجہد میں اسلامی تعلیمات اور مسلم کلچر کی تفریق کا لحاظ نہ کیا جاسکا۔

اوپر کی بحث میں ہم نے یہ عرض کیا ہے کہ اثبات اور اقدام کی اس جدوجہد کے لیے سب سے پہلے مدینہ منورہ کی سماجی زندگی کا از سر نو مطالعہ کرنا چاہیے اور اس کے عناصر ترکیبی کو نکھار کر پیش کرنا چاہیے۔ ہم نے یہ بھی عرض کیا ہے کہ مدینہ منورہ کی معاشرتی تاریخ کے لیے کتب حدیث اور مصدقہ تاریخوں میں وافر ذخیرہ موجود ہے۔ دوسری طرف امت مسلمہ کی طویل تاریخ کا بھی گہرا مطالعہ درکار ہے تاکہ تہذیبی اختلاط اور مدینہ منورہ کی پاکیزہ سوسائٹی سے زمانی بعد کی وجہ سے جو غیر اسلامی رجحانات اور رسم و رواج' مسلم سماج میں داخل ہو گئے ہیں اور جن میں سے اکثر کو مذہبی تصدیق حاصل ہو گئی انھیں ممیز کیا جاسکے۔

خواتین کے متعلق اسلامی تعلیمات اور قدروں کو از سر نو اجاگر کر کے ان کی حقیقی برکتوں کو نمایاں کرنا چاہیے۔ یہ وہ مقصد ہے جس کا حصول ہمیشہ سے علما اور مجددین امت کے پیش نظر رہا ہے' یہ انقلابی قدم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ یہ تہذیبی قدامتوں پر اصرار نہیں ہو گا بلکہ مسلمانوں کو بالخصوص، اور عام انسانیت کو بالعموم، اس خیر کامل کی طرف دعوت کے مترادف ہے جو قرآن و سنت میں مضمر ہے اور جس کو اختیار کیے بغیر خواتین کو نہ حقوق مل سکتے ہیں اور نہ متوازن اور عدل پر مبنی معاشرہ قائم ہو سکتا ہے۔

تحریک اسلامی کو اس میدان میں قائدانہ کردار ادا کرنا چاہیے۔ اس کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے کہ تہذیب مغرب کی یورش سے آپ اپنے خاندان اور خواتین کو بچا سکیں۔ ادارے اور نقطہ ہائے نظر تو ایک ایک کر کے ٹوٹ رہے ہیں مگر اس سیلاب میں وہ اقدار بھی بہہ رہی ہیں جو قرآن و سنت نے عطا کی ہیں۔ خواتین کا تاثر یہ ہے کہ مذہب اور تحریک اسلامی، دونوں خواتین کو فروتر سمجھتے ہیں اور ان پر بندشیں عائد کرتے ہیں۔ ان کے جائز حقوق سے بے نیاز ہیں۔ اس لیے وہ عصری تہذیب کو لبیک کہہ رہی ہیں اور تحریک اسلامی کے متعلق گوناگوں اندیشوں میں مبتلا ہیں۔ ہمیں پوری جرأت اور ایمان و یقین کے ساتھ مدینہ منورہ کی اس سوسائٹی کو زندہ کرنا چاہیے جس نے رسول اکرمؐ کی قیادت میں خواتین کا مرتبہ اور مقام متعین کیا تھا۔ قرآن کریم کی تعلیمات کا رازداں آپؐ کے بعد صحابہ کرامؓ کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ بلاخوف لومتہ لائم اس سماج کے طرز عمل اور طرز فکر کی تجدید کرنا چاہیے۔ چاہے اس کے نتیجے میں ہماری پسندیدہ چیزوں کو خیرباد کہنا پڑے اور اس طرز فکر کو بدلنا پڑے جسے ہم نے تاریخی عمل کے تحت مذہبی جواز عطا کر دیا ہے۔

بعض دین دار حلقوں میں یہ کہا جاتا ہے کہ مدینہ کی سوسائٹی عفیف اور پاکیزہ سوسائٹی تھی لیکن ہم ایسے دور میں رہ رہے ہیں جہاں اباحیت کا غلبہ ہے، اس لیے ہمیں مزید پابندیاں لگانی پڑیں گی۔ بعض مباحات کو ممنوع قرار دینا ہو گا اور اجتماعی تعامل کی بعض راہوں کو بند کرنا پڑے گا جو اس پاکیزہ سماج میں موجود تھیں۔ مگر یہ نقطۂ نظر دو وجوہ سے ناقص ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ مدینہ کی سوسائٹی میں بھی غلط عناصر موجود تھے اگرچہ ان کی تعداد حد درجہ قلیل تھی۔ قرآن کریم کی آیت حجاب خود اس امر پر شاہد ہے۔ جلباب کا حکم اس طرح دیا گیا کہ:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ (الاحزاب ۳۳: ۵۹) اے نبیؐ، اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کی سزا بھی نافذ فرمائی جو اس امر کی دلیل ہے کہ اس سماج میں بھی شیطانی وساوس بعض افراد کے قدموں میں لغزش کا سبب بن سکتے تھے۔ اس کے باوجود بھی سوسائٹی میں خواتین کا کردار غیر فطری طور پر محصور نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان کو وہ سارے حقوق عملاً عطا کیے گئے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن میں مذکور تھے اور جن کو رسول اکرمؐ نے اپنے اسوہ سے ثابت کیا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے احکام ہر معاشرے کے لیے ہیں، وہ مدینہ منورہ کا پاکیزہ سماج ہو یا آج کا اباحیت زدہ ماحول۔ اللہ تعالیٰ نے خواتین کا مقام اور ان کے حقوق متعین کرتے وقت ابدی مصالح کا خیال رکھا تھا نہ کہ وقتی ظروف و احوال کا۔

یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ ان معروضات سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ بعض حالات میں شریعت کے عمومی مصالح کے تحت شرائط اور پابندیاں نہیں لگائی جا سکتیں بلکہ صرف اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ حدود و قیود نہ تو خودساختہ ہونے چاہییں اور نہ رسم و رواج سے متاثر ہونے چاہییں بلکہ قرآن و سنت سے مستنبط اور ماخوذ ہونے چاہییں۔ اس لیے کہ مصالح کا علم خدا اور رسولؐ سے بہتر کس کو ہو سکتا ہے؟ دوسری بات یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ اسلام کی اصل فراخی اور کشادگی ہے، پابندیاں اور حصار نہیں۔ طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ (طٰهٰ ۲۰: ۱-۲) طٰہٰ، ہم نے یہ قرآن تم پر اس لیے نازل نہیں کیا ہے کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔

پابندیوں کا نتیجہ اگر یہ نکلے کہ جو حقوق اور مراتب اللہ اور اس کے رسولؐ نے خواتین کو عطا کیے ہیں وہ غیر موثر ہو جائیں، یا جو آزادی اللہ اور اس کے رسولؐ نے خواتین کو عطا فرمائی ہے وہ قیدوبند میں بدل جائے، تو اس کا نتیجہ جمود ہو گا۔ جمود کی کیفیت سے تحفظ بھی ممکن نہیں، اس لیے کہ فطرت جمود سے ابا کرتی ہے یا تو قدم آگے بڑھیں گے یا انحطاط ہو گا۔

اثبات اور اقدام کی اس جدوجہد کے دو اہم اجزا ہیں:

ایک جز، تو قرآن و سنت کی بنیادی قدروں اور اس کی تعلیمات کا اثبات ہے۔ مدینہ منورہ کی اس سوسائٹی کا اتباع ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین کے زمانے میں قائم تھی اور تاریخی سفر کے ثقافتی حشو و زوائد سے نجات حاصل کرنا ہے۔

دوسرا جز، دور حاضر کے ظروف و احوال کا خالص اسلامی نقطۂ نظر سے تجزیہ کر کے صحت مند اور انسانیت عامہ کے لیے مفید رجحانات کا تعین ہے۔ ان میں سے درج ذیل رجحانات ہماری فوری توجہ کے طالب ہیں۔ ان میں سے بعض صحت مند ہیں اور بعض فساد کا موجب۔ پہلے ان رجحانات کو لیجیے جو اصلاً صحت مند ہیں۔

۱۔ خواتین کی عمومی مظلومیت اور ضعف کو دور کرنے اور ان کو انسانی حقوق دلانے کی عام جدوجہد۔

۲۔ اجتماعی امور میں ان کے اشتراک میں اضافے کی جدوجہد۔

۳۔ خواتین کے درمیان جہالت کو دور کرنے اور تعلیم کے ممکنہ وسائل بہم پہنچانے کی جدوجہد۔

۴۔ عائلی زندگی میں خواتین کو منصفانہ حقوق دلانے کی جدوجہد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵- عام سماجی نقطۂ نظر کی اصلاح جو عورت کو مرد سے فروتر سمجھتا ہے۔ بچی کی پیدائش کو بوجھ اور لعنت سمجھتا ہے اور جہیز کو رشتہ ازدواج کا لازمی جز قرار دیتا ہے۔

۶- معاشی زندگی میں عورت کو استقلال عطا کرنے کی جدوجہد۔

عصر جدید کے مذکورہ بالا رجحانات آج خواتین کی تمناؤں اور آرزوؤں کا مظہر ہیں۔ یہ اپنی اصل کے اعتبار سے اسلامی نقطۂ نظر سے ہم آہنگ ہیں۔ حالانکہ خدائی ہدایات سے بے نیازی نے ان کی تعبیر میں افراط اور تفریط کی راہ پیدا کی ہے۔

ہر صاحب علم مسلمان جانتا ہے کہ قرآن و سنت نے مذکورہ بالا قدروں کو انسانیت کی تاریخ میں پہلی بار وہ مقام عطا کیا ہے جن کی وہ مستحق تھیں۔ اس نے مرد اور عورت دونوں کو ایک ہی جوڑے سے پیدا ہونے کی وجہ سے یکساں مقام عطا کیا۔ اس نے پہلی بار عورت کا مستقل وجود تسلیم کیا ہے اور تمام حقوق و فرائض کا ان کو یکساں مخاطب قرار دیا۔ اس کے تعین میں خواتین کے خصوصی دائرہ کار اور ان کے طبعی فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ لیکن عام انسانی حقوق میں دونوں کو برابر قرار دیا گیا ہے۔ اس نے تکالیف شرعیہ کا مخاطب دونوں کو الگ الگ قرار دیا۔ اس نے اخروی عتاب اور ثواب میں دونوں کا الگ الگ وجود تسلیم کیا۔ اس نے پہلی بار عیسائیت کے غیر عادلانہ تصور کا قلع قمع کیا جس کی رو سے عورت فی نفسہ معصیت تھی بلکہ شیطانی وساوس کا مورد دونوں کو بتایا۔ اس نے مرد اور عورت دونوں کے حقوق الگ الگ تسلیم کیے۔ عورتوں کو معاشی استقلال عطا کیا۔ اجتماعی امور میں ان کے مشورے اور آواز کو جائز اور قابل قدر مقام دیا۔ فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ایک دوسرے کا اولیا قرار دیا۔ جہاد اور قتال میں ان کی شرکت کو ممنوع نہیں قرار دیا بلکہ بعض صحابیہ کی بہادری اور حوصلہ مندی کو رسولؐ نے سراہا۔ لڑکیوں کی تربیت اور تعلیم کو جنت کی ضمانت قرار دیا۔ بحیثیت ماں اسے اعلیٰ ترین مقام دیا۔ خلافت کے مسئلے میں بھی ان کی رائے اور مشورے کو اہمیت دی۔ یہاں ان بنیادی تعلیمات کا اعادہ مقصود نہیں ہے بلکہ صرف یہ گزارش کرنا ہے کہ مذکورہ بالا رجحانات اپنی اصل کے اعتبار سے اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہیں۔

تحریک اسلامی کو ان رجحانات کی صرف تائید نہیں کرنا چاہیے۔ محض تائید تو یہ تاثر دیتی ہے کہ آپ تبع ہیں حالانکہ آپ کا کردار یہ چاہتا ہے کہ آپ ان قدروں کے داعی اور علم بردار ہوں اس لیے کہ قرآن و سنت ان کے علم بردار ہیں۔ لیکن ان رجحانات کو بلاسوچے سمجھے اپنانا بھی غلط ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان رجحانات کے داعی بالعموم دین و مذہب سے بے گانہ افراد ہیں۔ ان کی جدوجہد میں فکری ژولیدگی ہے۔ ان کی عملی تعبیر میں خواہشات اور تجدید پسندی کی آلودگی بھی ہے۔ افراط اور تفریط بھی ہے اور ردعمل بھی۔ متوازن اور عادلانہ فکر صرف اسلام عطا کرتا ہے۔ اگر ہم کوشش کریں تو اسلامی تعلیمات کے طفیل ان قدروں کا متوازن امتزاج اس طرح پیش کر سکتے ہیں جو عصری اصطلاحات کی زبان میں سمجھا جا سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دور حاضر میں بعض رجحانات فساد اور عدم استحکام کا بھی موجب ہیں۔ ان رجحانات کا فروغ انسانیت عامہ کے لیے ہلاکت کا پیغام ہے۔ وہ اخلاق، انسانیت، مروت اور رحمت کو جڑ سے اکھاڑ کر انسانی روابط کو مارکیٹ کی قدروں کی بنیاد پر استوار کرنا چاہتے ہیں۔ بدقسمتی سے ان رجحانات کے فروغ اور اشاعت کی پشت پر مغربی طاقتیں ہیں۔ اقوام متحدہ ہے، ذرائع ابلاغ ہیں، بے خدا فلسفہ زندگی ہے، اباحیت زدہ کلچر ہے۔ اس سیلاب کو ٹکنالوجی کی حیرت ناک ترقی نے ہر ہر لمحے غذا پہنچائی ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ اس سیلاب کے داعی مرد زیادہ ہیں اور عورتیں کم۔

ان میں سے چند اہم رجحانات کا ذکر ذیل میں ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ سب سے اہم رجحان وہ ہے کہ جو عائلی زندگی اور اس کے ضوابط کو خواتین کی مظلومیت کا اصل سبب قرار دیتا ہے۔

۲۔ یہ خاندان کے قدیم تصور کو بدل کر اس کو والدین میں سے صرف والدہ کو محور بنانا چاہتا ہے۔ یعنی صرف ایک خاتون اور اس کے بچے پر مشتمل خاندان کو قانونی اور سماجی جواز دلانا چاہتا ہے۔

اس تصور کے حق میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ تولیدی آزادی (reproductive freedom) خواتین کی خود اختیاری کا جزولاینفک ہے۔ جنسی عمل کی حریت اسے کسی خاص مرد کے تابع نہیں بناتی اور نہ اس کو بچہ پیدا کرنے کی مشین بناتی ہے۔ ان کے نزدیک مرد کے روایتی ظلم کا موثر ترین ذریعہ روایتی خاندان ہے، لہٰذا اس کو ختم کر دیا جائے تاکہ عورت کو آزادی حاصل ہو جائے۔ نہ خاندان ہو گا، نہ مرد کی حکومت، نہ خانہ داری اور نہ ہی تولیدی عمل کی مجبوری۔

۲۔ دوسرا رجحان یہ ہے کہ عورت اور سماج کے درمیان حقوق کی لڑائی کو فروغ دیا جائے۔ مردوں اور عورتوں کے حقوق کو ہر میدان میں برابر قرار دیا جائے اور صنف کے فرق کی وجہ سے سماج نے حقوق میں جو تفریق روا رکھی ہے اسے یکسر ختم کر دیا جائے۔ اسی طرح ایک منصفانہ جدوجہد کو حقوق کی دست برد میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس رجحان کا سب سے پہلا شکار فرائض اور وظیفہ حیات کا فرق بن گئے ہیں۔

اس رجحان کا شاخسانہ یہ بھی ہے کہ خواتین کو ہر میدان میں مکمل جدوجہد اور مسابقت کا اختیار ملنا چاہیے۔ سیاست، معاش، تعلیم، انتظامی امور، مالیات وغیرہ سارے میدان ان کے لیے کھلے رہنے چاہییں جس میں وہ اپنے انتخاب کے مطابق جتنا وقت چاہیں صرف کریں۔

اس مطالبے کا معکوس یہ ہے کہ مردوں کو بچوں کی نگہ داری، خانہ داری اور تربیت کی ذمہ داری سنبھالنا چاہیے بلکہ اگر ٹکنالوجی کے ذریعے ممکن ہو تو مردوں کو عمل تولید کا ذمہ دار بھی بنا دیا جائے۔

۳۔ تیسرا رجحان وہ ہے جو ہر فرد کی قیمت کو اس کی مادی اہمیت سے ناپتا ہے اور ہر تعلق کو مادی مفادات سے جوڑتا ہے۔ چنانچہ اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے UNDP نے خواتین کی اہمیت کا پیمانہ قومی آمدنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ان کے کردار کو قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اگر قومی آمدنی کے تخمینے میں خواتین کی اندرون خانہ خدمات کو شمار کر لیا جائے تو ان کا حصہ ۴۹ فی صد بنتا ہے۔ انھیں قوی امید ہے کہ اگر خواتین کے بیرون خانہ خدمات میں اضافے کا رجحان جاری رہا تو آیندہ چند سالوں میں ان کا تناسب ۵۱ فی صد ہو جائے گا اور مردوں کا ۴۹ فی صد۔ اس طرح قومی آمدنی میں خواتین کا تناسب بڑھ جانے کی وجہ سے ان کی قوت میں اضافہ ہو گا۔

یہ رجحان سارے انسانی روابط کو مارکیٹ روابط بنانے کے درپے ہے۔ اس طرح ہر انسانی رابطے کی قدروقیمت مالی مفادات قرار پا جائیں گے۔ خانہ داری ہو یا شوہر کی خدمت' بچوں کو دودھ پلانا ہو یا ان کی تعلیم و تربیت' ان سب کی مالی قدروقیمت معلوم کر کے خواتین کو اپنا مقام اور مرتبہ متعین کرنا چاہیے۔

ان کے نزدیک عورتوں کی مظلومیت اور ضعف کا حقیقی سبب اخلاق' عصمت و عفت' پاکیزگی' وفاداری' ایثار کرنی' خدمت گزاری کی وہ اخلاقی قدریں ہیں جنھوں نے عورت کے اختیار اور انتخاب پر بے جا پابندیاں لگا رکھی ہیں۔ اس لیے ان کو ختم کرنا چاہیے۔ اقوام متحدہ کی قاہرہ کانفرنس میں اس نقطۂ نظر کو نہایت حسین اصطلاحات کے ذریعے پیش کیا گیا تھا۔ اس ضمن میں اسقاط کا فلسفہ بھی پوری قوت سے پیش کیا گیا۔ ان کے نزدیک ان اخلاقی قدروں کی ظالمانہ گرفت کو ختم کیے بغیر آبادی پر کنٹرول ممکن نہیں۔

مذکورہ بالا رجحانات ہر طرح کے مذہب' دین اور اخلاق کی نفی ہیں۔ یہ رجحانات فی الواقع مغرب کی بیمار' مادہ پرست اور اخلاق باختہ تہذیب کی پیداوار ہیں۔ ان کی اشاعت اور فروغ کا حقیقی محرک دراصل اس تہذیب کو دنیا کی دوسری تہذیبوں بالخصوص اسلامی تہذیب پر غالب کرنا ہے۔ ان رجحانات کو بظاہر خوشنما سائنسی اور معقولیات پر مبنی دلائل کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے۔ ان کا سدباب تحریک اسلامی کا فریضہ ہے' ملت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے' اور علما کا نصب العین ہے۔ ان رجحانات کے سدباب کے لیے ضروری ہے کہ ان کے دلائل کا کھوکھلا پن واضح کیا جائے اور اسلامی تہذیب اور عام انسانی سماج کے لیے ان کی ہلاکت خیزی کو مبرہن کیا جائے۔ ان منفی رجحانات کا تفصیلی جائزہ اور ان کے بالمقابل اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت اس مضمون میں طوالت کے خوف سے نہیں کی جا رہی ہے۔

© rasailojaraid.com